زینت بی بی
اسکالر، پی ایچ ڈی اُردو، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی پشاورکیمپس، پشاور

# خیبر پختونخوا میں فکاہیہ کالم نگاری کی روایت

**Zeenat Bibi**
Scholar PhD, Department of Urdu, Qurtuba University of Science and Information Technology, Peshawar Campus, Peshwar.

## Comic Column in Vogue in Khyber Pakhtunkhwa

Wring of Comic column in Urdu is in vogue since a century. Urdu Journalism is blessed with famous writes from the very beginning. Who by their utmost skill widen its sprit. In Urdu the writing of comic column are pioneered by Mulana Zafar Ali Khan, Abdul Majeed Salik, Ibarahim Jalees, Chargh Hassan Hasrat, Abdul Majeed Lahori etc. The writers of Khyber Pakhtunkhwa also wrote comic columns. In comic columns the writers have explored, the prevalent, politics, social, cultural and economic aspects in the most characteristic manners. The subject under consideration the comic columns in Khyber Pakhtunkhwa and have been concisely and in candid manner evaluated.

**Key words:** *Journalism, comic column, Politics, National Newspapers, Local Newspapers, Rulers, Democracy, Columnist, Journalistic Humor, Indifference, Humorous Poetry.*

اُردو زبان و ادب اس لحاظ سے بڑا خوش نصیب ہے کہ اس میں زندگی کے ہر شعبے کے رنگ نمایاں نظر آتے ہیں جہاں زندگی کے سنجیدہ زاویوں کو زیر غور رکھا جاتا ہے وہاں ہلکے پھلکے موضوعات بھی زیرِ بحث آتے ہیں۔ ویسے تو ادب کے بہت سے گوشے ہیں جہاں زندگی کے رنگ بکھرے پڑے ہیں۔ فکاہی کالم نویسی بھی اُردو زبان کی ایک نمایاں شاخ ہے۔ فکاہی کالم نویسی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں بڑے بڑے کالم نویسوں نے اپنے قلم کے جوہر دکھائے۔ بلا شبہ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اگر یہ بڑے بڑے کالم نویس اگر اس پودے کی آب یاری نہ کرتے تو آج فکاہی کالم کو یہ مقام حاصل نہ ہوتا۔ ان میں مولانا ظفر علی خان، عبد المجید سالک، مولانا محمد علی جوہر، عبد الماجد دریابادی، ابراہیم جلیس، عبد المجید لاہوری، چراغ حسن حسرت اور ارشاد احمد خان کے نام شامل ہیں۔ اس حوالے سے فکر تونسوی لکھتے ہیں:

"اُردو کی مزاحیہ کالم نگاری ہی کی خوش قسمتی تھی کہ ہمیشہ بڑے اور قد آور کالم نویسوں نے کالم نگاری کی ہے"۔ (۱)

اردو ادب پر صحافت کا یہ بھی احسان ہے کہ اس نے مزاحیہ ادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ کیونکہ اخبارات میں شائع ہونے والی مزاحیہ تحریریں ادب کا حصہ ہیں۔ مثال کے طور پر مجید لاہوری کا "حرف و حکایت" رتن ناتھ سرشار کا "فسانہ آزاد" سجاد حسین کا "حاجی بغلول" اور چراغ حسن حسرت کا "جدید جغرافیہ پنجاب" پہلے پہل اخبارات میں شائع ہوئے۔ اور اب اردو کی مزاحیہ ادب کے اہم سرمایے کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ بعد کے لکھنے والوں میں سید ضمیر جعفری، نصیر انور، جمیل صدیقی، سعد اللہ جان برق، ڈاکٹر ہمایوں ہما، قلندر مومند اور ایوب صابر وغیرہ شامل ہیں۔ خصوصاً ادبی صحافت میں انداز تحریر کے ساتھ ساتھ ملک کی سیاسی صورت حال بھی خاصی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ پاکستان کی تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو یہاں جمہوریت اور مارشل لاء ایک دوسرے سے برسرپیکار نظر آتے ہیں۔ برطانوی دور میں برصغیر کا آئین برطانوی پارلیمنٹ کی منظوری کے تابع تھا۔ آزادی کے بعد کاروبارِ حکومت چلانے کے لیے اُسی دور کے قوانین وضوابط کا سہارا لیا گیا۔ اگرچہ کچھ تبدیلیاں کی گئیں تھی لیکن بنیادی طور پر وہ ایک جابر حکومت کی ضروریات کی تکمیل کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد یہاں پارلیمانی طرز حکومت عمل میں لائی گئی۔ جمہوریت میں اخبارات کو ایک بنیادی ستون کی حیثیت حاصل ہوتی ہے لیکن پاکستان میں اخبارات سے عہدہ براء ہونے کے لیے پریس ایکٹ مجریہ ۱۹۳۰ء سے کام لینا مناسب خیال کیا گیا۔ یہ وہی ظالمانہ قانون تھا جس کے تحت انگریز حاکموں نے برصغیر کی صحافت کو پابہ زنجیر کیا تھا۔ پاکستان کے گیارہ سالہ پارلیمانی دور کا جائزہ لیا جائے تو یہ دور ہمیں سیاسی لیڈروں اور سیاسی جماعتوں کی رسہ کشی سے عبارت نظر آتا ہے۔ اپنے مخالف کو نیچا دِکھانا اور اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنا اُس دور کا نمایاں دستور تھا۔

تاریخ گواہ ہے کہ بڑے تلخ تجربات کے بعد ترقی یافتہ ملکوں کو اس بات کا احساس ہوا کہ اخبارات قوم کا بیش بہا سرمایہ ہوتے ہیں اور آزادی صحافت اضطراب، بے چینی، ہنگاموں اور بغاوتوں سے چھٹکارا دلانے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس حوالے سے ہمایون ادیب لکھتے ہیں:

> "عوامی جذبات بھاپ کی مانند ہوتے ہیں انہیں زیادہ دیر تک کھولنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ ایسی صورت میں قومی جسد سیاست میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں اور ملک و قوم کا مستقبل معرض خطر میں پڑ جاتا ہے۔ اخبارات اس بھاپ کو خارج کرتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دانش مند حکومتیں پریس کی آزادی کا احترام کرتی ہیں۔" (۲)

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد سوائے "کوہ نور" کے بہت سے اخبارات شائع ہونا بند ہوئے اور اخبارات کی اشاعت بہت محدود ہوگئی۔ بعد میں جب حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کے بجائے تاجِ برطانیہ کے زیر اثر ہوگئی تو ملکی سطح پر اخبارات کی اشاعت میں اضافہ ہونا شروع ہوگیا۔ اُس دور میں سب سے پہلے شائع ہونے والا اخبار "اودھ" تھا۔ جو جنوری ۱۸۵۹ء میں لکھنوء سے جاری ہوا۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار کا "فسانہ آزاد" اسی اخبار میں شائع ہوتا رہا۔ ۱۸۹۰ء میں ایک اور

اہم اخبار ''مہذب'' لکھنوء سے عبد الحلیم شرر نے جاری کیا۔ وہ اس سے پہلے ''اودھ اخبار'' سے وابستہ تھے۔ وہ ملکی سیاست خصوصاً طبعی رجحان کے بڑے نباض تھے۔ برصغیر کے ابتدائی دور کی صحافت میں طنز ومزاح کے عناصر روایتی انداز میں موجود نہ تھے۔ انگریزوں کی آمد کے ساتھ ہی انگریزی الفاظ اور جملے، مغربی محاورات اور ضرب المثال کا استعمال شعوری یا غیر شعوری طور پر ہونے لگا۔ رَسد وترسیل کا بہتر انتظام ہونے کی وجہ سے دُنیا کے ہر گوشے سے خبریں آنا شروع ہوئیں جس کا بڑا اثر یہاں کی مقامی صحافت پر پڑا۔ اُردو صحافت کے ابتدائی دور میں اگرچہ تنقید اور نکتہ چینی سے احتراز کیا جاتا رہا، اور اخبارات کو صرف حکومتی پالیسی کی وضاحت کے لیے استعمال میں لایا جاتا رہا لیکن ''کوہ نور'' کی فائلوں سے اس بات کا بخوبی پتہ چلتا ہے کہ اس گھٹن اور طفولیت کا یہ مشکل اور کٹھن دور فکاہیہ کالم نگاری کی بنیاد ٹھہرا۔

۱۸۷۷ء میں لکھنوء ہی سے ''اودھ پنچ'' کا اجراء منشی سجاد حسین نے کیا۔ اُردو کی صحافتی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جو شہرت اور عزت ''اودھ پنچ'' کے حصے میں آیا وہ دیگر کسی بھی اخبار کو نصیب نہ ہو سکا۔ یہ اخبار پچیس (۲۵) برس عروج پر رہا۔ منشی سجاد حسین اُردو اخبار نویسی میں ایک طرز مذاق اور ظرافت کے بانی تھے۔ اُنکی ظرافت کے بارے میں ڈاکٹر فوزیہ چودھری لکھتی ہیں:

> "منشی سجاد حسین فطرتاً نڈر اور بے باک تھے۔ ان کی اس بے باکی کی جھلک اودھ پنچ کی پالیسی میں بھی نظر آتی ہے۔ طنز وظرافت ان کا اسلوب نگار ٹھہرا تھا۔ ''موافقت زمانہ'' اپنے عہد کا بہترین سیاسی طنزیہ تھا"۔ (۳)

یہ اخبار آغاز میں چھے (۶)، سات (۷) صفحات پر مشتمل تھا لیکن عوام کے اصرار پر اس کے صفحات کی تعداد بڑھا کر آٹھ (۸) کر دی گئی۔ ''اُودھ پنچ'' بھی اِسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس سے اُردو میں مزاحیہ / فکاہیہ کالم نگاری کی ابتداء ہوئی۔ اخبارات کے ساتھ ساتھ اخبارات میں شائع ہونے والے فکاہات کو بھی اس لحاظ سے اہمیت حاصل ہے کہ ادیب ایسے لوگوں کے لیے لکھتا ہے جن کی ذہنی سطح عام لوگوں سے بلند ہوتی ہے۔ وہ ادیب کے اسلوب، اندازِ بیان اور زبان کی چاشنی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ لیکن صحافت میں ایسا نہیں ہے ایک صحافی جب لکھتا ہے تو اُس کے پیشِ نظر عام آدمی سے لے کر بڑے بڑے دانشور سب ہی اُس کے دائرہ فکر میں آتے ہیں۔ وہ ایسا اندازِ تحریر اختیار کرتا ہے جو ہر ایک کی سمجھ میں آجا سکے۔

اُردو صحافت میں فکاہیہ کالم نگاری کی تاریخ کافی پُرانی ہے جو کہ تقریباً ایک صدی سے زائد عرصے پر محیط ہے۔ صحافت میں فکاہیہ کالم نگاری کی اہمیت ہمیشہ سے رہی ہے لیکن آج کل صحافت بغیر فکاہیہ کالم نگاری کے نامکمل تصور ہوتی ہے۔ اخبارات کی مقبولیت کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اِس اخبار میں کون کون سے کالم نویس اپنے تاثرات و تجربات کو کالم میں بیان کرتے ہیں یوں روزانہ مختلف کالم مختلف اخبارات کی زینت بنتے ہیں۔ برصغیر کی صحافت پر نظر ڈالی جائے تو یہاں کالم نویسی بالخصوص فکاہیہ کالم نویسی کو ہمیشہ سے مقبولیت کا درجہ حاصل رہا ہے۔ اخبارات میں بے شمار موضوعات جس سے معاشرے کی آئینہ داری ہوتی ہے ان کالموں کا حصہ بنتے ہیں۔ جن میں کالم نویسوں نے اپنے گہرے اور عمیق مشاہدات و

تجربات کو کالموں میں سمویا ہے۔ فکاہیہ کالم نگاری کی پسندیدگی میں روز بروز اضافہ دیکھنے میں آیا ہے البتہ ادبی مزاح اور صحافتی مزاح میں قدرے فرق ضرور پایا جاتا ہے۔ جس طرح صحافت کو ہنگامی اَدب کہا گیا ہے اِسی طرح صحافتی مزاح کو بھی وقتی نوعیت کا مزاح سمجھا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ادب مستقل نوعیت کا حامل ہے اور وہ زماں و مکاں کی قید سے ماورا ہے۔ اس لیے ادبی مزاح بھی مستحکم اور دیرپا ہوتا ہے جس سے آج کا قاری بھی اتنا ہی حِظ اٹھاتا ہے جتنا کہ کئی سال پہلے کا قاری محظوظ ہوتا تھا۔ ادبی اور صحافتی مزاح کا فرق بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

> "کردار، واقعہ یا زبان و بیان کی وہ کیفیات جو انسانی فطرت کے لیے مضحکہ خیز ہیں یا جو انسانی معاشرے کے مروجہ اُصولوں پر پورا نہ اُتر سکنے کے باعث واضح ناہمواریوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، ادبی مزاح کے زمرے میں شامل ہیں، بشرطیکہ ان کی پیش کش کا انداز ادبی ہو لیکن ایک محدود ماحول کے وہ ہنگامی واقعات جن کے بعض پہلو ماحول یا پس منظر کے باعث ایک مضحکہ خیز انداز اختیار کر جاتے ہیں لیکن جن کی اپنی کوئی ایسی مستقل مزاحیہ حیثیت نہیں ہوتی کہ وہ زمان و مکان کی حدود سے باہر نکل سکیں، صحافتی مزاح کی پیدائش کا باعث بنتے ہیں"۔ (۴)

ویسے تو اخبارات میں کالموں کا رواج کافی پرانا ہے اور ضرورت کے تحت مختلف کالم اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ مزاحیہ کالم کی تاریخ دوسری نوعیت کے کالموں سے نسبتاً پرانی ہے ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کے نتیجے میں اخبارات میں کالموں کے رواج کو تقویت ملی۔ اس بارے میں مہدی حسن لکھتے ہیں:

> "۱۹۵۸ء میں ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کے نتیجے میں اخبارات پر جو پابندیاں لگائی گئیں اس کے نتیجے میں اخبارات میں قارئین کی دلچسپی برقرار رکھنے اور اُنہیں پڑھنے کے لیے "کچھ نہ کچھ دینے" کی ضرورت کے تحت اخبارات نے مختلف قسم کے کالموں کو رواج دیا"۔ (۵)

اُردو صحافت میں فکاہیہ کالم نگاری کی روایت کو تفصیل سے بیان کرنے سے قبل اس بات کی اہمیت بڑھ جاتی ہے کہ مختلف ادیبوں اور کالم نویسوں کی فکاہیہ کالم نگاری کے بارے میں رائے کو جانا جائے۔

فکاہیہ دراصل عربی کے لفظ "فکاہ" سے مشتق ہے، جس کے معنی ہنسنے ہنسانے کے ہیں۔ اس کی صفت "فکاہت" ہے۔ جس کے معنی ظرافت، خوش دلی، خوش طبعی وغیرہ کے ہیں۔ فکاہیہ کالم نگاری ایک قسم کی اخباری روایت بن چکی ہے یہ کالم بالعموم اپنی نوعیت کے اعتبار سے فکاہی ہوتے ہیں۔ جن کا مقصد طنز و مزاح کے ذریعے پڑھنے والوں کے لیے تفریح اور سبق آموزی فراہم کرنا ہوتا ہے۔ فکاہیہ کالم نگاری کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ زندگی سے وابستہ تمام موضوعات کو اِن کالموں کا موضوع بنایا جاسکتا ہے۔ یعنی یہ کالم مزاح و اصلاح کے لیے ہوتے ہیں۔ فکاہیہ کالم نگاری کے بارے میں شفیق جالندھری لکھتے ہیں:

> "فکاہیہ کالم میں طنز و مزاح کے ذریعے قارئین کو تفریح اور دلچسپی کا سامان بہم پہنچانے کا مقصد پورا کیا جاتا ہے۔ کالم نویس رمز و کنایہ، موازنہ، مبالغہ، لفظی بازیگری اور تعریض وغیرہ کے

حربے استعمال کرتا ہے۔ تازہ واقعات و مسائل اور زندگی کی اُونچ نیچ سے مضحک پہلو تلاش کر کے انہیں نمایاں کیا جاتا ہے" (۶)

فکاہیہ کالم نگاری کے حوالے سے مجتبیٰ حسین نے اپنے تاثرات کچھ یوں بیان کیے ہیں:

"مزاحیہ کالم نگاری دراصل اپنے اور عوام کے دُکھ کو کبھی خوبصورتی کے ساتھ چھپانے، کبھی اُسے اُجاگر کرنے، درد کے چہرے پر خوشگوار مکھوٹا چڑھانے اور ناگوار زندگی کو گوارا بنانے کا نام ہے۔" (۷)

جس طرح اُردو کے ابتدائی اخبارات و رسائل میں خالص صحافت پہلے آتی ہے اور ادبی صحافت بعد میں یہی صورت حال صوبہ خیبر پختون خوا کا بھی ہے۔ یہاں ابتدائی صحافت میں ادب اور ادبی صحافت و جرائد کا تصور واضح نہیں ملتا۔ البتہ یہ کہنا بے جاہ نہ ہو گا کہ ابتدائی خبری صحافت نے ادب اور ادبی صحافت کے لیے راہیں ضرور متعین کیں۔ یوں تو اس صوبے میں صحافت کا آغاز ۱۸۸۸ء سے ہو چکا تھا مگر صحافت کی جڑیں ۱۹۳۰ء کے بعد مضبوط ہونا شروع ہوئیں۔ جب صحافت کے قواعد و ضوابط میں نرمی اختیار کی گئی تو اس صوبے میں کئی اخبارات جاری ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد کے اخبارات پر نظر دوڑائی جائے تو اس خطے کے اخبارات میں معاشرتی مسائل اور اُن کے حل کے حوالے سے جذبے بیدار نظر آتے ہیں۔ یہاں کے اخبارات میں معاشرے کے سدھارنے اور لوگوں میں شعور پیدا کرنے کے حوالے سے بہت سے موضوعات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان میں بعض اخبارات نے نسبتاً سنجیدہ رویہ اختیار کرتے ہوئے مسائل کی نشاندہی اور ان کے سدباب کے لیے کوششیں کیں ہیں۔ لیکن وہ اخبارات جن میں مسائل کو شگفتہ اور مزاحیہ پیرائے میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے ان کو عوامی سطح پر پذیرائی دیکھنے میں ملی۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف اخبارات میں ایک سے زیادہ فکاہی کالم لکھے جانے لگے۔

طنزیہ و مزاحیہ ادب میں فکاہات کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ فکاہیہ کالم نویس اپنی بات موثر طریقے سے دوسروں تک پہنچانے میں مختلف حربے بروئے کار لاتا ہے۔ کبھی وہ لفظی بازی گری کے فن کے ساتھ میدان میں اُترتا ہے تو کبھی صورت واقعہ کی تصویر کشی سے اپنے قارئین کو محظوظ کرتا ہے۔ قومی سطح کی صحافت کی طرح صوبائی سطح پر بھی خیبر پختون خوا کے فکاہیہ کالم نویسوں نے اپنے احساسات و جذبات کو بخوبی عوام کو منتقل کیا۔

مختلف ادبی رجحانات کے تحت ہونے والی تبدیلی کے اثر کو یہاں کے مقامی ادب کے ساتھ ساتھ صحافت نے بھی قبول کیا۔ جس میں طنز و مزاح کا رجحان بھی شامل ہے۔ طنز و مزاح کو یہاں کی شعری و نثری ادب میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ جن ادیبوں اور کالم نویسوں نے اس میدان میں طبع آزمائی کی، انہیں قارئین کی بھرپور پذیرائی ملی۔ طنز و مزاح کے لحاظ سے اس صوبے نے بڑے بڑے نام پیدا کیے۔ جنھوں نے شعری ادب کے ساتھ ساتھ نثر میں بھی عمدہ اَدب پارے تخلیق کیے ہیں۔ ان میں پطرس بخاری، طٰہٰ خان، میر ولی اللہ ایبٹ آبادی، نیاز سواتی، محمود سرحدی اور قاسم حسرت وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہاں صحافتی مزاح کے پھول کھلانے میں جن کالم نویسوں کا بڑا شاندار کردار رہا ہے ان میں سعد اللہ جان برق، اشرف بخاری، مختار علی نیّر، ڈاکٹر ہمایوں ہما، قلندر مومند اور عزیز احمد، اکرام اللہ مہمند وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

یوں تو سال ۱۹۵۴ء میں خیبر پختون خوا میں اخبارات کی تعداد کراچی اور لاہور کے مطابق لائی جا سکتی ہے، لیکن اپنے محدود ذرائع وسائل اور حکومت کی عدم دلچسپی کے باعث یہ اخبارات زیادہ عرصہ اپنے معیار کو برقرار نہیں رکھ سکے۔ کراچی اور لاہور کے مقابلے میں یہاں کے مقامی اخبارات کے مالکان آمدنی یا اشتہاری کاروبار سے بھی استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اخبارات کا معیار قومی سطح کے اخبارات جیسا نہیں رہا اور نہ ہی ان میں پنپنے والے فکاہیہ کالموں کو دوام نصیب ہوا۔

صوبہ خیبر پختون خوا میں فکاہی کالم کے ارتقاء میں ''شہباز'' اخبار کا اہم اور منفرد کردار رہا ہے۔ اس کے علاوہ ''مشرق'' اخبار میں ملک کے نامور مزاح نگاروں نے فکاہی کالموں کے ذریعے اپنے فن کے جوہر دکھائے۔ اور یوں اس صوبے میں فکاہیہ کالم نگاری کی روایت پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔

آرکائیوز اینڈ لائبریری (پشاور) میں روزنامہ ''انجام'' کے ۱۹۵۵ء سے لے کر ۱۹۷۲ء تک کے ریکارڈ کے مطابق کالم ''حجرہ'' اس کے ابتدائی کالموں میں شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح '' برسبیل تذکرہ'' جو کہ پچاس کی دہائی میں شائع ہوتا رہا جس میں ارشاد احمد خان اور ابراہیم جلیس جیسے نامور کالم نویسوں نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا اور ایک طویل عرصے تک قارئین کی داد وصول کرتے رہے۔ دیگر کئی نامور کالم نویسوں نے روزنامہ انجام کے لیے کالم لکھے۔

روزنامہ ''انجام'' کے فکاہی کالم ''حجرہ'' کو کافی مقبولیت حاصل رہی۔ ۱۹۵۶ء کے ابتداء میں فکاہی کالم ''حجرہ'' کو فارغ بخاری نے '' تربور'' (کزن) کے قلمی نام سے لکھا۔ فارغ بخاری کے بے باک طرزِ تحریر کی وجہ سے اس کالم کو کافی پذیرائی ملی۔ اس وقت کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی مسائل اس کالم کا موضوع بنتے۔ تاج سعید فارغ بخاری کے طرزِ تحریر کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "فارغ بخاری کی دنیا بھی خوبصورت افکار و خیالات کی دُنیا تھی۔ اُنہوں نے قلم کی مزدوری نہیں کی۔ اِسے صرف اپنے شوق تک ہی رکھا اور گھر گرہستی کی گاڑی چلانے کے لیے ساری عمر محنت کرتے رہے۔ کئی طرح کے کاموں میں ہاتھ ڈالا لیکن ہاتھ اتنا ہی آیا جس سے اُن کی سفید پوشی کا بھرم قائم رہا"۔ (۸)

روزنامہ ''انجام'' میں ''حجرہ'' کے علاوہ ''برسبیل تذکرہ'' کے عنوان سے بھی فکاہی کالم کو قارئین کی بھرپور پذیرائی حاصل تھی۔ اس کالم میں کئی ایک کالم نویسوں نے اپنے فن کو زندہ رکھا۔ ''برسبیل تذکرہ'' کے لیے لکھنے والوں میں ارشاد احمد خان کا نام بھی شامل ہے۔ انہوں نے ۱۹۵۰ء، ۱۹۶۰ء کے دوران روزنامہ ''انجام'' میں '' رمضانی'' کے قلمی نام سے فکاہی کالم لکھا۔

صوبہ خیبر پختون خوا کے صحافتی میدان میں '' بانگِ حرم'' کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس اخبار کا بھی فکاہیہ کالم نگاری کے ارتقا میں نمایاں کردار رہا ہے۔ ''بانگِ حرم'' میں جو مختلف فکاہیہ کالم چھپتے رہے ہیں۔ آرکائیوز اینڈ لائبریری (پشاور) کے ۱۹۵۹ء سے ۱۹۷۱ء کے ریکارڈ کے مطابق '' حجرہ''، ''مسائل آپ کے اور بیان اپنا''، اور ''پشاور نامہ''

اہم فکاہی کالموں میں شامل ہیں۔ فکاہیہ کالم " حجرہ " کو قارئین کی بے حد پسندیدگی و پزیرائی ملی۔ جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دیگر فکاہی کالموں کی نسبت اس کا دورانیہ کافی طویل ہے۔جو تقریباً دس(۱۰) سال کے عرصہ پر محیط ہے۔اس اخبار میں ایوب صابر ایک طویل عرصے تک "چلم کش" کے قلمی نام کے ساتھ فکاہی کالم لکھتے رہے۔ اس کالم کے بارے میں مشتاق شباب لکھتے ہیں:

> "کوہاٹ کے مشہور شاعر اور ادیب ایوب صابر اس اخبار کے لیے چلم کش کے قلمی نام سے فکاہیہ کالم " حجرہ "لکھتے رہے۔ جس کے ذریعے وہ اصلاحِ معاشرہ کے ساتھ ساتھ حکومتی اداروں اور شخصیات پر بھی طنزیہ اور کاٹ دار جملوں کے ذریعے حملہ کرتے رہے۔" (۹)

اِسی طرح ۱۹۶۷ء میں سعداللہ جان برق نے "بانگ حرم "سے کالم نگاری کا آغاز کیا۔ ان کا لکھا ہوا فکاہی کالم "مسائل آپکے اور بیان اپنا" اور "پشاور نامہ "۱۹۶۷ء کے دوران " بانگِ حرم" میں چھپتے رہے۔ یہ فکاہی کالم فکر و فن کے لحاظ سے بہت جامع اور جاندار ہیں۔ جس معاشرتی مسائل کو بہت دلکش انداز میں بیان کیا جاتا۔

سعداللہ جان برقؔ کا یہ کالم "بانگ حرم "میں ۱۹۶۰ء کی دہائی میں چھپتا رہا۔ اس فکاہی کالم کی خاص بات یہی تھی کہ اس میں براہ راست عوامی و سماجی اور معاشرتی مسائل پر براہ راست بات چیت کی جاتی تھی۔ بات چیت کا انداز تبصرہ نوعیت کا ہوتا تھا جس میں اپنائیت کا پہلو نمایاں ہوتا تھا۔ بے تکلفی میں اپنے مخصوص انداز میں کسی مسئلے پر بات چیت کرتے جس سے نہ صرف مسائل پر تفصیلی بات ہوتی بلکہ اس سلسلے میں اُن مسائل سے نمٹنے اور اُن کے حل کے لیے بھی تجاویز پڑھنے کو ملتی۔

روزنامہ "شہباز" کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ اس اخبار نے فکاہیہ کالم نگاری کی فروغ میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ روزنامہ شہباز کے فکاہیہ کالم "قہوہ خانہ" کو قارئین نے بے حد پسند کیا۔ " قہوہ خانہ "کو اس لحاظ سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ اس کے لکھنے والے مزاح نگار تبدیل ہوتے رہے مگر " قہوہ خانہ" اسی ایک ہی نام کے ساتھ مسلسل پچیس(۲۵) سال تک چھپتا رہا۔ اگر چہ ۱۹۵۰ء میں ایک وقت میں اس کا نام " قہوہ خانے میں "رکھا گیا۔ جو کبھی " طرہ باز" اور کبھی " خواجہ پرست" کے قلمی نام سے شائع ہوتا رہا۔ مگر جلد ہی "قہوہ خانہ" کے نام سے دوبارہ چھپنا شروع ہوا جو آخر تک اسی نام کے ساتھ جاری رہا۔

روزنامہ "شہباز" نے ابتدا ہی سے فکاہی کالموں کو اپنے صفحات پر خصوصی جگہ دی ۔ آرکائیوز اینڈ لائبریری (پشاور) کے ۱۹۴۹ء سے ۱۹۹۲ء کے ریکارڈ کے مطابق روزنامہ "شہباز" میں فکاہی کالم کو مختلف مزاح نگاروں نے اپنی قلمی ناموں کے ساتھ شائع کیا۔ اردو ادب میں قلمی نام کی روایت کافی پرانی ہے۔ یہاں کے بڑے بڑے صحافیوں نے اپنے نام کی بجائے قلمی نام کے ساتھ صحافت میں قدم رکھا۔

روزنامہ "شہباز" کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس اخبار میں چراغ حسن حسرتؔ نے بھی اپنے فنی جوہر دکھائے۔ روزنامہ کے ابتدائی ایام میں وہ اس اخبار میں "سندباد جہازی" کے قلمی نام سے مزاحیہ کالم لکھا کرتے تھے۔ ان کالموں سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ چراغ حسن حسرتؔ کس قدر شگفتہ اور باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے اپنے دور کے

مسائل اور واقعات پر ان کالموں میں جو دلچسپ اندازِ تحریر کام میں لایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ چراغ حسن حسرت نے اپنی زندگی کا بیش تر حصّہ صحافت میں گزارا۔ لیکن صحافت کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے صحافت ادب کی سطح پر کی۔ ہر کسی نے اُنہیں ادیب پہلے اور صحافی بعد میں لکھا۔ اُنہوں نے مختلف قلمی ناموں سے لکھا۔ شفیق جالندھری چراغ حسن حسرتؔ کے قلمی نام "سندبادی جہاز" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان کا یہ قلمی نام اس قدر مقبول ہوا کہ اصلی نام اس میں دب کر رہ گیا۔ کچھ عرصہ بعد مولانا حسرتؔ "احسان" کی انتظامیہ سے ناراض ہو کر عملہ ادارت سمیت روزنامہ "شہباز" لاہور میں چلے گئے اور ان کا یہ کالم بھی" شہباز" میں اُن کے ساتھ گیا"۔ (۱۰)

قلمی ناموں کے تحت "قہوہ خانہ" کے مختلف لکھنے والوں میں "طرّار"، "نکتہ دان"، "ہشت خان"، اور "وجاہت" وغیرہ شامل ہیں جبکہ قلندر مومند نے اپنے اصلی نام کے ساتھ اس فکاہی کالم "قہوہ خانہ" کو لکھا۔ ان فکاہی کالموں میں مختلف اسلوب اور مزاحیہ حربوں (مبالغہ، رمز و کنایہ، موازنہ، لفظی بازیگری اور تعریض) کے ذریعے معاشرے کے تضادات اور ناہمواریوں کو نمایاں کیا جاتا رہا۔ روزنامہ " شہباز" کے لیے فکاہی کالم لکھنے والوں میں وجاہت (قلمی نام) کا نام بھی شامل ہے۔ ان کا اصل نام طلاء محمد تھا۔ بعد میں انہوں نے اپنا ادبی نام محمد احسان طالب کر دیا تھا۔ وہ "قہوہ خانہ" کبھی اپنے نام اور کبھی اپنے قلمی نام (وجاہت) کے ساتھ لکھتے تھے۔ فکاہیہ کالم "قہوہ خانہ" میں جن مزاح نگاروں نے مسکراہٹوں کو فروغ دیا ان میں طرار (قلمی نام) نے بھی لطائف کے دلچسپ استعمال سے اس وقت کے حالات و واقعات کو پیش کیا۔ ان کے حسِ ظرافت کی عمدہ مثال "قہوہ خانہ" میں نظر آتی ہے۔ بعد میں " قہوہ خانہ" کو ۱۹۷۰ء کے بعد قلندر مومند نے لکھنا شروع کیا۔ وہ ۱۹۷۳ء یعنی تین سال تک فکاہیہ کالم " قہوہ خانہ" لکھتے رہے۔ "قہوہ خانہ" میں اُن کے کالم قارئین کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ اُنہوں نے مسائل پر اس انداز سے بات کی ہے کہ مقصد بھی سامنے آجاتا ہے اور کسی فردِ واحد کی دل آزاری بھی نہیں ہوتی۔ وہ کسی ایک نقطہ کی بجائے پورے ماحول کو سامنے رکھ کر بات کرتے ہیں اُن کا اسلوب اُن کی تحریروں کو دلچسپ بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

تحقیق کی روشنی میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ روزنامہ "مشرق" نے اب تک دیگر اخبارات کے مقابلے میں فکاہی کالموں کو فوقیت دی ہے۔ تقریباً دس فکاہیہ کالم نویسوں نے مختلف اوقات میں اس اخبار کے لیے مختلف عنوانات کے تحت فکاہی کالم لکھے۔ روزنامہ "مشرق" اخبار کے فکاہی کالموں کا ذکر ارشاد احمد خان کے بغیر نامکمل ہے۔ انہوں نے ایک طویل عرصے تک" مشرق" میں "آج کی باتیں" کے عنوان سے فکاہی کالم لکھے۔ اس سے پہلے بھی وہ مختلف اخبارات میں فکاہی کالم لکھتے رہے جن میں "انجام" کا" برسبیل تذکرہ" اور "اخبارِ خواتین کا" آپ سے کیا پردہ" جیسے فکاہی کالم شامل ہیں۔ "برسبیل تذکرہ" کے عنوان سے ایک عرصے تک انہوں نے" مشرق" کے لیے بھی کالم نگاری کی۔ یہ کالم شوخی و ظرافت سے بھرپور ہوتے تھے۔ جس میں اس وقت کے مسائل و تضادات کا شگفتہ مزاجی سے احاطہ کیا جاتا۔ ان کے کالموں کا مجموعہ "تعمیل ارشاد" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ یہ کتاب زیادہ تر اُن کالموں پر مشتمل ہے جو روزنامہ "مشرق" اور

"اخبارِ خواتین" میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ لیکن "مشرق" میں "آج کی باتیں" ایک طویل عرصے تک چھپتا رہا جسے قارئین نے بے حد سراہا۔ ان کا یہ کالم ۱۹۶۴ء سے لے کر ۱۹۹۲ء تک تقریباً اٹھائیس (۲۸) سال تک اخبار "مشرق" کی زینت بنا رہا۔

ارشاد احمد خان نے "آج کی باتیں" میں زندگی کے مختلف واقعات، مسائل اور انسانی رویوں کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ ان کے ہاں موضوعات میں تنوع ہے۔ مختلف طبقات کے تحت ہونے والی بے اعتدالیوں، ناہمواریوں اور ستم ظریفیوں پر کھل کر بات کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مبالغہ ان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ کالم کو تحریر کرتے وقت وہ مبالغہ سے بھی کام لیتے ہیں اور ہنساتے ہنساتے مقصد کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔ اِن کی اس خوبی کے بارے میں ڈاکٹر وزیر آغا رقم طراز ہیں:

> "ارشاد احمد خان کے ہاں مبالغہ کی چاشنی سے ایک نیا اسلوب سامنے آیا ہے۔ بالخصوص ان کے کالموں کے عنوانات بہت دلچسپ ہوتے ہیں۔ " (۱۱)

سید ضمیر جعفری کی وجہ شہرت مزاحیہ شاعری ہے۔ اردو ادب کی ظریفانہ شاعری میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔ اگرچہ انہوں نے اپنی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کے حوالے سے بہت مقبولیت حاصل کی لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے نثر میں بھی کمال کی طبع آزمائی کی ہے۔ جس کی بدولت اردو کے مزاح نگاروں میں اپنا نمایاں مقام حاصل کر چکے ہیں۔۔ وہ اسّی (۸۰) کی دہائی میں روزنامہ " مشرق" کے لیے "نظر غبارے" کے عنوان سے کالم نگاری کر چکے ہیں۔ ان کے ہاں لاتعداد موضوعات ہیں جو ان کے گہرے مشاہدے اور تجربے کے عکاس ہیں۔ ان کے فن کے بارے میں مشفق خواجہ لکھتے ہیں:

> "نثر میں بھی سید ضمیر جعفری نے ایک اسلوب خاص ایجاد کیا ہے۔ انھوں نے اپنی یادوں کو جس انداز سے قلم بند کیا ہے اس سے اردو خاکہ نگاری کے قد اور وزن دونوں میں اضافہ ہوا ہے۔ طنزیہ اور مزاحیہ مضامین کے ایسے انبار لگائے ہیں کہ موجودہ دور کے تقریباً سبھی طنز و مزاح نگار ان کے خرمن کے خوشہ چیں ہیں"۔ (۱۲)

ڈاکٹر یونس بٹ نے ۲۰۰۰ء میں " عکس بر عکس" کے عنوان سے جبکہ ۲۰۰۱ء کے دوران ان کا فکاہیہ کالم "مزاح بخیر" " مشرق" میں چھپتا رہا۔ راشدہ نثار تقریباً ۱۹۶۸ء سے روزنامہ " مشرق" کالم نگاری کرتی رہیں۔۔ اس سلسلے میں ان کا فکاہی کالم "خاتون کی ڈائری" کے عنوان سے چھپتا رہا۔ یہ کالم کبھی سنجیدہ اور کبھی مزاحیہ اندازِ تحریر لیے ہوتا ہے۔

جمیل احمد صدیقی ایک طویل عرصہ سے مختلف اخبارات کے لیے فکاہی کالم لکھتے رہے ہیں۔ ان کا فکاہی کالم "باتوں باتوں میں" روزنامہ "مشرق" اور روزنامہ " صبح" میں چھپتا رہا ہے۔ جیسا کہ عنوان "باتوں باتوں میں" ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ باتوں باتوں میں معاشرتی مسائل اور سیاسی تجزیوں کو بیان کرتے ہیں۔ وہ طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں حالات و واقعات پر تبصرہ کرتے ہیں۔

نصیر انور کے تحریر کیے ہوئے فکاہی کالموں کو صحافتی ادب میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ انہوں نے زندگی کے مسائل کو ہلکے پھلکے انداز سے کالموں میں سمو کر مزاح نگاری کی روایت کو برقرار رکھا۔ ان کا فکاہی کالم ''جھوٹی باتیں'' سیاسی، سماجی اور معاشرتی کج رویوں کو شگفتہ مزاجی سے قارئین تک پہنچاتا رہا۔

سعد اللہ جان برقؔ ۱۹۶۷ء میں اس وقت کے مشہور روزنامہ ''بانگِ حرم'' (پشاور) سے صحافتی میدان میں قدم رکھا۔ جہاں سے انہوں نے پشتو اور اردو کالم نگاری میں کافی شہرت حاصل کی۔ اسی دوران روزنامہ '' مشرق'' میں سجب خان کے قلمی نام سے ان کا فکاہی کالم چھپتا رہا۔ جس کا عنوان '' لبِ خنداں چشمِ گریاں'' ہے۔ اس فکاہی کالم میں سنجیدہ موضوعات پر ہلکے پھلکے انداز میں بحث ہوتی۔ وہ اشعار کا استعمال بھی نہایت مؤثر اور موقع کی مناسبت سے کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں ان کا قوتِ حافظہ قابل تحسین ہے۔ ہمایون ہما کا شمار بھی روزنامہ '' مشرق'' کے اہم اور پسندیدہ کالم نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ تقریباً چالیس(۴۰) سال سے کالم نگاری کے فن سے وابستہ ہیں۔ تاہم روزنامہ '' مشرق'' کے لیے ۲۰۰۰ء سے کالم لکھ رہے ہیں جن میں فکاہی کالم ''باتوں باتوں میں'' اور ''ادھر اُدھر سے'' شامل ہیں۔

شاعر و ادیب اشرف بخاری روزنامہ ''مشرق'' کے لیے تقریباً سات(۷) سال تک ''قند و نمک'' کے عنوان سے کالم نگاری بھی کرتے رہے۔ جو انہوں نے ''مشرق'' (پشاور) کے مالک آغا سید تاج میر شاہ کے اصرار پر لکھنا شروع کیے تھے۔

عزیز احمد نے روزنامہ '' مشرق'' کے فکاہی کالم '' مشرقیات'' کو آٹھ(۸) سال تواتر کے ساتھ لکھا۔ فکاہی کالموں کے سلسلے میں ''مشرقیات'' کے فکاہی کالم کو نمایاں اہمیت و مقام حاصل ہے۔ '' مشرق'' کی مناسبت سے ''مشرقیات'' کو قارئین کی بے حد پذیرائی ملی۔ روزنامہ ''مشرق'' میں ان کا کالم ''رگِ سنگ'' کے عنوان سے ایک عرصے تک چھپتا رہا۔ وہ ہلکے پھلکے انداز میں گہری بات کرتے ہیں۔ جو شگفتہ مزاجی اور شوخی و شرارت سے بھرپور ہوتی ہے۔ اپنے کالموں میں قومی مسائل کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی مسائل کے بارے میں بھی بات کرتے ہیں۔

سعد اللہ جان برقؔ نے روزنامہ ''آج'' کے لیے ''زیرلب'' کے عنوان سے فکاہی کالم لکھے۔ اس کالم میں اُنھوں نے مذہبی، سیاسی اور اخلاقی پہلوؤں پر طنز و مزاح کے پیرائے میں بات کی ہے۔ اُن کا انداز سادہ اور سلیس ہے۔ مسائل کا نقشہ اس انداز سے کھینچا ہے کہ پورا منظر قاری کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اُن کے ہاں ظرافت کا انداز معیاری ہے۔ کسی بھی کالم میں اُن کی ظرافت اپنے حدوں کو پھلانگ کر پھکڑ پن پر نہیں اُترتی۔

اکرام اللہ مہمند نے روزنامہ ''آج'' میں ۲۰۰۰ء کے اوائل میں ''تیر کمان'' کے عنوان سے فکاہی کالم لکھتے رہے۔ وہ جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے ہیں۔ اسی کے مطابق اسلوبِ تحریر اختیار کرتے ہے۔ ان کے ہاں خالص ظرافت ہے۔ ان کے انداز تحریر میں طنز کی زہرناکی کے مقابلے میں مزاح زیادہ ہے۔ وہ کسی بھی معاشرتی واقعے یا سیاسی خبر کو اپنے انداز تحریر سے خاص بنا دیتے ہیں۔

ابنِ انشاء کا اصل نام شیر محمد تھا۔ اُنہوں نے ابنِ انشاء کے نام سے ادبی نگارشات کا آغاز کیا اور یہی نام اُن کی پہچان بنا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد وہ ریڈیو پاکستان سے وابستہ رہے۔ بعد میں اُنہوں نے چراغ حسن حسرتؔ کی وفات کے بعد روزنامہ "اِمروز" میں فکاہی کالم "حرف و حکایت" کو جاری رکھا۔ ایک عرصہ تک روزنامہ "انجام" کے لیے کالم نویسی کی۔ انہوں نے ۲۰۰۹ء میں روزنامہ "آج" کے لیے "شوخیِ تحریر" کے عنوان سے فکاہی کالم لکھا۔ اُن کے کالموں میں ادبی چاشنی ملتی ہے۔ اُنہوں نے معاشرتی کوتاہیوں، خود غرضی اور بے حسی کو اپنا موضوع بنایا۔ محاوروں اور ضرب المثال کے استعمال سے معاشرتی کمزوریوں کو اُجاگر کیا۔ اُن کے ہاں سخت گوئی اور طنز کی آمیزش ملتی ہے۔ لفظی اُلٹ پھیر سے بھی مزاح پیدا کیا ہے لیکن تنقید ایسی کی ہے کہ جس کا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں بلکہ کمزوریوں کو سامنے لانا ہے۔ اُنہوں نے کسی فرد پر براہ راست اُنگلی اُٹھانے کی بجائے اُس فعل کو نشانہ بنایا ہے جو معاشرے کے لیے سود مند نہیں۔ وہ مسائل اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قاری کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب رہتے ہیں۔

۱۹۶۰ء کی دہائی میں معاشرتی اصلاح سے متعلق مختلف مضامین روزنامہ "الجمعیت سرحد" کا خاصہ تھے۔ یہ مضامین زندگی کے متعلقات کے بارے میں رہنمائی کرتے رہے۔ اِن مضامین کے لکھنے والوں میں ناشاد طاہر خیلی، عبد اللہ جان اسیر، راحت ملک اور انور شفقی وغیرہ شامل ہیں۔ "الجمعیتِ سرحد" کا ذکر کیا جائے تو یہاں عبد الماجد دریا آبادی کے کالم "سچی باتیں" کا تذکرہ بھی ضروری ہے اس کالم میں وہ علم و دانش نیز قران و سنت کے حوالے سے اہم واقعات بیان کرتے جس میں زندگی کے شعبوں کے حوالے سے رہنمائی ملتی۔ کبھی کبھی ان کا یہ کالم فکاہی رنگ لیے ہوتا۔ قارئین کی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے روزنامہ "الجمعیت سرحد" نے فکاہی کالموں کا سلسلہ جاری کیا۔ "حرف و حکایت"، "افسانے چند" اور کبھی "قصہ خوانی گپ" کے عنوان سے تحریروں میں ہلکی پھلکی طنز اور خوشگوار فضا ملتی ہے۔ اِن تحریروں میں ادبی چاشنی اور زبان و بیان کی ندرت پیدا کر کے مزاح نگاری کو ادب میں اہم مقام دلایا ہے۔ ۱۹۷۴ء کے دوران روزنامہ "انقلاب" کا فکاہی کالم "وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ" شائع ہوتا رہا جسے کافی پسندیدگی ملی۔ اسی طرح "راز کی باتیں" کے عنوان سے روزنامہ "انقلاب" ہی میں شائع ہونے والے فکاہی کالم نے بھی نہ صرف اپنے دور کے مسائل اور حالات و واقعات کو شگفتہ پیرائے میں بیان کیا بلکہ طنز کی چٹکی بھی لی۔

سال ۵۹۔ ۱۹۵۸ء کے دوران روزنامہ "ہمارا پاکستان" (پشاور) میں "چناں و چنیں" کے عنوان سے فکاہی کالم شائع ہوتا رہا۔ جس میں معاشرتی کج رویوں کو مضحک انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

روزنامہ "حیات" (پشاور) میں "رازو نیاز" کے عنوان سے ۱۹۸۴ء میں فکاہی کالم شائع ہونا شروع کیا گیا۔ اس کالم میں ادبی چاشنی کے ساتھ ساتھ معاشرتی اونچ نیچ پر طنز اور مزاح کی شوخی بھی پائی جاتی تھی۔ اس کالم میں ہلکے پھلکے انداز سے معاشرتی مسائل کا تذکرہ ہوتا تھا۔ سال ۱۹۷۳ء میں فکاہی کالم "دست و گریباں" روزنامہ "وطن" میں شائع ہوتا رہا۔ اس کالم میں سیاست، معیشت، قومی مسائل اور حکمرانوں کی زیادتیوں کو زیر بحث لایا جاتا۔ روزنامہ "صبح" نے بھی فکاہی کالم نگاری کی روایت کو زندہ رکھا۔ مختار علی نیئر کا نیم فکاہی کالم "میں بولوں کہ نہ بولوں" اور جمیل صدیقی کا فکاہی کالم "باتوں باتوں میں

'' اس اخبار کی زینت بنے رہے۔ روزنامہ ''سرخاب''(پشاور) میں بھی کبھی کبھی مختار علی نیئر کا فکاہی کالم ''میں بولوں کہ نہ بولوں'' شائع ہوتا رہا ہے اسے نیم فکاہی کالم بھی کہہ سکتے ہیں کیوں کہ یہاں مزاح کے مقابلے میں طنز زیادہ پایا جاتا ہے۔

روزنامہ ''ایکسپریس''(پشاور) میں ''زیرِلب'' کے عنوان سے سعد اللہ جان برق کا فکاہی کالم شائع ہوتا رہا۔ فکاہی کالم نگاری کے لحاظ سے صوبہ خیبر پختونخوا میں ہزارہ کی اہمیت اپنی جگہ تسلیم شدہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہاں کے نامور صحافیوں نے صحافت کی بھرپور خدمت کی ہے۔

صوبائی سطح کے ساتھ ساتھ مقامی سطح پر بھی کالم نگاروں کی خاصی تعداد موجود ہے جو اس میدان میں اپنے آپ کو منوا رہے ہیں۔ صحافت کے ساتھ ساتھ فکاہی کالم نگاری کے میدان میں بھی مثالی صحافیوں نے قومی اور صوبائی سطح پر اپنا آپ منوایا ہے۔ ارشاد حسین کا تعلق خیبر پختون خوا کے جنوبی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان سے ہے۔ وہ افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صحافی بھی ہیں۔ کالم نگاری کے حوالے سے ان کا نام جانا پہچانا ہے۔ مقامی اخبارات میں ان کے چھپنے والے کالموں کا مجموعہ ''وہ خواب سارے'' شائع ہو چکا ہے۔ ان کالموں میں زندگی اور اس کے متعلقات کا ذکر اس انداز سے کیا ہے ک وہ معاشرتی تصویر نظر آنے لگے ہیں۔ سماجی رویوں کی اونچ نیچ کو بڑے فنکارانہ انداز سے بیان کیا ہے۔ وہ کردار اور صورتِ واقعہ سے مزاح پیدا کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔

قیوم مروت کا شمار ان ادیبوں میں ہوتا ہے۔ جو بیک وقت اردو اور پشتو دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ وہ زندگی اور اس کے لوازمات کو عمدہ طریقے سے قاری تک پہنچاتے ہیں۔ ان کے ہاں طنز بھی اور مزاح بھی۔ یہی وجہ ہے کہ عوامی سطح پر ان کو بھرپور پذیرائی حاصل ہے۔ اجمل بصر اپنے مقالے میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''روزنامہ ''بانگِ حرم''میں فکاہیہ کالموں کے علاوہ روزنامہ ''آج''، ''میدان'' پشاور، ہفت روزہ ''روشن پاکستان'' کراچی اور ہفت روزہ ''عقاب'' کوہاٹ کے لیے کالم لکھتے رہے۔ ان کی کالم نگاری میں طنز کا پہلو نمایاں ہے۔ جس میں معاشرتی ناہمواریوں پر گہری چوٹ لگاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کالم عوامی سطح پر مقبول ہو رہے ہیں۔'' (۱۳)

میر ولی اللہ ایبٹ آباد میں ۱۸۸۲ء کو پیدا ہوئے۔ انہوں نے متنوع موضوعات کو اپنے فن میں سمویا۔ ان میں صحافت بھی شامل ہے۔ انھوں نے اکتوبر ۱۹۴۱ء میں ہفت روزہ ''جامِ جم'' کا اجراء کیا۔ اس ہفت روزہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں وہ ''زعفرانی کالم'' کے عنوان سے کالم لکھا کرتے تھے۔

ملا رموزی ۱۸۹۶ء میں ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ان کو طنز و مزاح کے حوالے سے اہم مقام حاصل تھا۔ وہ ''زمیندار'' میں کئی سالوں تک کالم لکھتے رہے۔ وہ اپنی تحریر سے اصلاح کا کام لیتے اور مغربی تہذیب کو طنز کا نشانہ بناتے۔ ان کے ہاں مزاح میں گہرائی ہے جو ان کے اپنے ماحول سے رغبت اور شناسائی کا ثبوت ہے۔ ان کی ظرافت کے حوالے سے بشیر احمد سوز لکھتے ہیں:

"ایک بالغ نظر قلم کار کی حیثیت سے ملار موزی نے بڑے بڑے ادیبوں اور ظرافت نگاروں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ خصوصاً "گلابی اردو" متعارف کروا کر انہوں نے ایسا طرزِ تجربہ ایجاد کیا جس کا اتباع کوئی نہ کر سکا۔ وہ "گلابی اردو" کے موجد تھے"۔ (۱۴)

پروفیسر سید فدا حسین شاہ "سرحد نیوز"، شمال اور آج میں چھپتے رہے۔ وہ اپنے مزاحیہ لب ولہجے اور انداز سے عوامی سطح پر کافی مقبول رہے ہیں۔ معاشرتی کوتاہیوں اور سماجی ناہمواریوں کو طنز و مزاحیے مزین کر کے قاری کو باخبر رکھنے کا ہنر خوب جانتے تھے۔ وہ ہندکو زبان و محاورات کو خصوصی طور پر اپنے کالموں کا حصہ بناتے۔ منصب خان سحاب (ایم اے سحاب) کے نام سے روزنامہ " شمال "میں اصلاحی مضامین اور کالم لکھتے رہے۔ ان کے فکاہیہ کالم اور مضامین میں "قراقلی ٹوپی"، "ناچ"، "رونا" اور " مثلث" وغیرہ شامل ہیں۔

ملک ناصر داؤد شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ روزنامہ "آج" میں "سرگوشیاں" کے نام سے کالم لکھتے رہے۔ وہ معاشیات کے اسسٹنٹ پروفیسر تھے۔ اس موضوع کی وجہ سے معاشی حالات کو زیادہ تر زیر بحث لاتے۔ ان کے ظریفانہ انداز سے بھرپور جن دو کالموں کو خوب پذیرائی ملی ان میں "میجر ایبٹ" اور "بھینس کا خطاب" شامل ہیں۔ ان کی طرزِ تحریر اور انداز عوامی دلچسپی کا باعث بنا رہا۔

ساجد خان کیالوی زمانہ طالب علمی ہی سے مزاحیہ ادب سے وابستہ رہے۔ وہ روزنامہ "شمال" (ایبٹ آباد)، روزنامہ "صبح" اور روزنامہ " شملہ" میں ایک کالم نویس کے طور پر سامنے آئے۔ ان کے ہاں معاشرتی رویوں کا تجربہ ادبی رنگ لیے ہوئے ہے۔ انہوں نے جہاں معاشرتی مسائل پر بات کی ہے وہاں سیاسی زیر و بم کو بھی موضوعِ کالم بنایا ہے۔ ان کے چند اہم کالموں میں "ٹوٹ گیا وجود"، "موبائل سے مس کال تک"، "ٹینشن لینے کا نہیں" اور "ٹین ڈبے والا" شامل ہیں۔

ان فکاہی کالم نویسوں کے علاوہ ہزارہ کے چند بڑے صحافیوں میں منشی قلندر خان تنولی، محمد سرور خان طاہر خیلی، فقیر اخان جدون، ملک امیر عالم خان، ملک محمد عالم اعوان، غلام جان طاہر خیلی، نسیم حجازی، قاضی حامد ظفر، شکیل طاہر خیلی اور مظہر بشیر وغیرہ شامل ہیں۔ ۱۹۱۱ء سے لے کر اب تک کے ہزارہ کے اخبارات، مجلات کے معیار کو دیکھتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ صرف صوبائی بلکہ ملکی سطح کے مساوی صحافتی کام ہوا۔

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اُردو صحافت میں مزاح نگاری کا جو آغاز ۱۸۷۷ء (اودھ پنچ) سے ہوا تھا اُسے بعد کے اخبارات کی اہم ضرورت سمجھا جانے لگا ہے۔ ابتدا سے آج تک سیاست کو موضوعات کے حوالے سے ان (مزاحیہ کالموں) میں ہمیشہ اولیت رہی ہے۔ اس طرح سیاست کے ساتھ ساتھ معاشرتی مسائل و تہذیبی روایات اور دیگر معاشرتی تضادات کو خصوصی اہمیت دی گئی آزادی سے قبل مزاحیہ پرچوں یا اخبارات نے خوب ترقی کی۔ قیام پاکستان کے بعد مزاحیہ اخبارات کی بجائے مختلف بڑے بڑے اخبارات جن میں "مشرق"، "جنگ"، " انجام" وغیرہ شامل ہیں میں فکاہیہ کالم نویسی کی طرف رجحان بڑھتا گیا، اور صحافتی میدان میں نئے نئے فکاہیہ کالم نویسوں نے مزاح کے پھول کھلائے۔ اس دوران میں

بعض اخبارات کے زیر سایہ غیر معیاری مزاح بھی لکھا گیا مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میدان میں ایسے کالم نویس ضرور موجود رہے، جنھوں نے فکاہی کالموں کی شاندار روایت کو برقرار رکھا اور مزید تقویت بخشی۔

صحافت میں مزاحیہ رنگ اتنا گہرا چڑھا کہ اس کا اثر ملکی سطح کے ساتھ ساتھ صوبائی اور مقامی سطح پر بھی نظر آنے لگا۔ اگر صوبہ خیبر پختونخوا کے حوالے سے بات کی جائے تو یہاں کی مقامی صحافت میں '' مزاحیہ انداز '' کے کالموں کو بہت اہمیت ملی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے اور اس کے بعد مقامی اخبارات میں فکاہیہ کالموں کو اہم ضرورت سمجھا جانے لگا۔ اس حوالے سے روزنامہ ''شہباز'' خصوصی اہمیت کا حامل ہے جو ایک طویل عرصے تک فکاہیہ کالموں کی روایت کو کامیابی سے برقرار رکھے ہوئے تھا۔ ''شہباز'' کے فکاہی کالم ''قہوہ خانہ'' میں اپنے دور کے بہترین اور معیاری مزاح تخلیق کرنے والے کالم نویسوں نے فن کے جوہر دکھائے۔ اسی طرح '' انجام'' ، ''بانگِ حرم'' اور ''ہمارا پاکستان'' جیسے کامیاب روزناموں نے بھی فکاہیہ کالم نویسی کے ذریعے قارئین کو محظوظ کیا۔ ان اخبارات نے اس وقت کے موضوعات، مسائل اور تضادات کو اپنی تحریر کا حصہ بنایا جہاں طنز اور مزاح دونوں کے رنگ نمایاں نظر آئے۔ اسی طرح روزنامہ ''مشرق'' کو بھی اس حوالے سے خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ بڑے بڑے ادیبوں جن میں ارشاد احمد خان، ابراہیم جلیسؔ، ضمیر جعفریؔ، نصیر انور، سعد اللہ جان برقؔ، ہمایون ہماؔ اور یونس بٹ، اکرام اللہ مہمند وغیرہ جیسے کالم نویسوں نے روزنامہ ''مشرق'' میں کالم لکھ کر طنز و مزاح کی روایت کو برقرار رکھا۔ روزنامہ '' مشرق'' میں '' مشرقیات'' کے عنوان سے روزانہ کی بنیاد پر فکاہیہ کالم کی روایت سالوں برقرار رہی جہاں مختلف کالم نویسوں نے فکاہی رنگ جمائے۔

صحافت میں طنز و مزاح کی روایت آج بھی زندہ ہے۔ کیونکہ مزاح نگار کے پیش نظر دوسروں کی دل آزاری ہرگز مقصود نہیں ہوتی بلکہ ان کے مدِ نظر اصلاح کا پہلو ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں نفسیاتی حوالے سے قاری اور کالم نویس دونوں کا کردار اہم ہے۔ قاری وقتی طور پر اپنے غم اور دکھوں کا مداوا ہنسی کی صورت میں پالیتا ہے۔ اور کالم نویس ہنسی کے لبادے میں مشکلات اور مسائل سے پردہ اٹھاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مزاح نگار کا زیادہ تر رجحان سیاسی موضوعات کی طرف ہی رہا ہے۔ چاہے وہ ماضی ہو یا حال سیاسی موضوعات ہی ہمیشہ لکھنے اور پڑھنے والے دونوں کے پسندیدہ رہے کیونکہ انسان اپنی نامکمل خواہشات سے وقتی طور پر تسکین کے لیے ''مزاح'' کے پڑھنے اور لکھنے میں آسودگی پاتا ہے۔

ایک افسوس ناک امر یہ بھی ہے کہ اس خطے کے حکمران ہمیشہ عوام کے حقوق کی پامالی اور حق تلفیوں میں مصروف رہے ہیں۔ ماضی کی طرف جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمارے سامنے انگریز حکمرانوں کی زیادتیوں کی بھیانک تصویر ہے۔ جبکہ قیام پاکستان کے بعد اپنے ملک کے حکمرانوں نے عوام کی زندگی اجیرن بنادی ہے۔ بدقسمتی سے یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔ اسی سے مزاح کا مستقبل بھی وابستہ ہے کیونکہ جہاں دکھ اور پریشانیاں لوگوں کو گھیر لیں وہاں لوگ مزاح کے لبادے میں وقتی راحت کے متلاشی بن جاتے ہیں۔ نفسیاتی اعتبار سے مزاح سے ہمیں جو سکون ملتا ہے وہ زندگی کی مشکلات و پریشانیوں کے خلاف پھر سے لڑنے کی قوت پیدا کر دیتا ہے۔ ہنسی مسکرانے کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے اس بات کی بھی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ کہ یہ انفرادی سطح پر اہم ہونے کے ساتھ ساتھ اجتماعی سطح پر بھی ناگزیر ہے۔ کیونکہ پریشان حال شخص انفرادی اور

اجتماعی دونوں لحاظ سے معاشرے پر اثر انداز ہوتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں مزاح کے مواقع کو فروغ دیا جائے تاکہ تبسم کی کلیاں کھلتی رہیں۔ موجودہ دور میں بھی جہاں مسائل مزید پیچیدگی اختیار کیے ہوئے ہیں آج زبان و ادب کے بدلتے معیار اور صحافت کو درپیش مسائل پر غور کرنے کی ضرورت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اَدب اور صحافت کو مزید قریب لانے کی ضرورت ہے تاکہ یہ دونوں مل کر ملکی، بین الاقوامی اور معاشرتی تقاضوں کو احسن طریقے سے پورا کر سکیں۔ صحافت میں فکاہی کالم نویسی صحافیانہ ادبی مزاح کی عمدہ مثال ہیں۔ جس کو نہ صرف ماضی کے اخبارات نے اہمیت دی بلکہ موجودہ دور میں بھی فکاہی کالم ہر بڑے اخبار کا اہم حصہ ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بدلتے حالات کے تناظر میں اس کی ضرورت و اہمیت پہلے کے مقابلے میں مزید بڑھ گئی ہے۔

صحافت کی زندگی ایک دن پر مشتمل ہوتی ہے۔ اگلے دن خبریں باسی ہو جاتی ہیں، لیکن صحافت میں فکاہیہ کالم نگاری ایک ایسا شعبہ ہے، جس کو دیگر کالموں کے مقابلے میں انفرادیت حاصل ہوتی ہے۔ وہ مسائل کے اظہار میں ایسا اسلوب برتتے ہیں جو وقت اور متعین لمحات کا پابند نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ فکاہیہ کالم ادبی استحسان کی بدولت جاوید اں ہو جاتے ہیں۔

دیکھا جائے تو فکاہی کالم کو آج بھی اور ماضی میں بھی نامور ادیبوں اور کالم نویسوں نے تحریر کیا ہے، جنہوں نے مزاح اور شائستگی سے اردو کالم نگاری میں ایک منفرد اسلوب کو رواج دیا۔ لیکن فکاہیہ کالم نویسی کے لحاظ سے جن اخبارات کو شہرت ملی ۔ مختلف اخبارات جن میں""شہباز" ، "بانگِ حرم" ،" انجام" ،" انقلاب" ، "ہمارا پاکستان" ،"وطن"،"حیات"،" آج"خبریں"،"ایکسپریس"،"مشرق"،"سرخاب" ،"نئی بات" وغیرہ شامل ہیں فکاہیہ کالم نویسی کی اس روایت کو کامیابی سے برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

## حوالہ جات


۱۔ فکر تونسوی، مشمولہ احوال چراغ حسن حسرتؔ، ادارہ یادگارِ غالب کراچی ۲۰۰۳ء ص ۴۸۴

۲۔ ہمایون ادیب، صحافت پاکستان میں، عزیز پبلشر، اُردو بازار لاہور ۱۹۸۴ء ص ۱۲۱

۳۔ فوزیہ چودھری، اُردو کی مزاحیہ صحافت، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور ۲۰۰۰ء ص ۱۸۳

۴۔ ڈاکٹر وزیر آغا، اُردو ادب میں طنز و مزاح، مکتب عالیہ جی سی سنٹر، چڑ جی روڈ، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۷ ص ۳۱۱،۳۱۰

۵۔ مہدی حسن، صحافت، اعتصام پبلشر چوک اُردو بازار لاہور س۔ن ص ۱۱۲

۶۔ شفیق جالندھری، اُردو کالم نویسی، علمی کتب خانہ، کبیر سٹریٹ، لاہور س۔ن ص ۵۴

۷۔ مجتبیٰ حسین، اُردو صحافت، بک ٹاک، میاں چمبرز۔ ۳ ٹمپل روڈ لاہور ۱۹۹۱ء ص ۲۲۲

۸۔ تاج سعید، کالم بعنوان "فکر و خیال" روزنامہ "آج" ۲۷ نومبر ۱۹۹۹ء ص ۳

۹۔ مشتاق شباب، مشمولہ پاکستان میں اُردو، مقتدرہ قومی زبان پاکستان ۲۰۰۶ء ص ۱۷۸
۱۰۔ شفیق جالندھری، کالم نویسی، علمی کتب خانہ، کبیر سٹریٹ لاہور س۔ن ص ۹۰
۱۱۔ وزیر آغا، اردو ادب میں طنز و مزاح، مکتب عالیہ، جی سی سنٹر، چڑ جی روڈ اردو بازار لاہور، ۲۰۰۷ء ص ۳۷۰
۱۲۔ مشفق خواجہ، مشمولہ "اڑتے خاکے" بک کارنر پبلشرز، بک سیلرز جنرل سپلائر چوک فیصل شہید، مین بازار
۱۳۔ اجمل بصر، مشمولہ مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی "صوبہ خیبر پختون خوا کے جنوبی اضلاع میں اردو ادب" ۲۰۱۲ء ص ۹۳
۱۴۔ بشیر احمد سوز، "تاریخ صحافت ہزارہ" گندھارا ہندکو اکیڈمی پشاور ۲۰۱۶ء ص ۲۴۹